AL-MISBAH RESEARCH JOURNAL

Al-Misbah, **Vol. 2, No. 4**(2022),107-120
https://almisbah.info/

عصری سماجی تفاعل میں درپیش تحدیات کے تناظر میں جنسی زیادتی کے عوامل کا تجزیہ اور اسلام

Analysis of factors of sexual abuse and Islam in the context of challenges faced in contemporary social interaction

*Hafiz Shabbir Ahmad
**Dr Ishtiaq Ahmad Gondal

ABSTRACT

When evil, obscenity, nudity sexism and use of female figures for commercial gains becomes a norm in any society then the collective consciousness of that society becomes dormant. This phenomenon can also be observed in our society where numerous cases are surfacing on daily basis and everyone feels unsafe and threatened. Whenever our women, girls and children go out one we are concerned about their security and safety. The collective consciousness of any society can not only put a barrier against such evils but also can help in uprooting it. Now it is the duty of different elements of the society, like teachers, traders, lawyers, doctors, engineers and other people of power circle to forget their political and idealogical differences and join their hands to eradicate the evil of obscenity and nudity for the safety of their women , girls and children. And this can be possible if we understand the real causes of the sexual abuse and isolate the reasons for moral degeneration in our society. Some of the important reasons for such moral decay are the violation of Islamic system of Veil or Parda, difficulties in arranging marriage or Nikah, prevelance of nudity and obscenity, atheism and secularism, co education and misuse of modes of communication and spread of Un Islamic traditions. Until and unless, these factors and traditions are not eradicated from our society it would be difficult to keep honor and dignity of our society safe and sound.

Keywords: *Sexual abuses, social issues, contemporary challenges, Islamic teachings, public problems*

تمہید

سماجی نظام کا تعلق انسانی چہل پہل سے ہے۔ جب تک انسان حالتِ تحرک میں نہ ہو اُس کی اجتماعی معاشرت کی نشاندہی نہیں ہو سکتی۔ انسان جب چل پھر کر آس پڑوس اور قرب و جوار تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اُس کی انفرادیت سماج میں بدل جاتی ہے۔ یہی سماج دراصل انسانی معاشرت کی مکمل تصویر ہوتی ہے اور اسی سے نظامِ زندگی کے اصول بھی منصۂ شہود میں آتے ہیں۔ تمام عالم انسانی جنس، رنگ روپ، بول چال اور مذہب کے اختلاف کے باوجود ایک ہی جسم ”انسانیت“ کے افراد و اعضا ہیں۔ اسی لئے ہر قوم دوسری اقوام پر اثر ڈالتی ہے اور صنعت و حرفت، تجارت، معارف و علوم اور اخلاق میں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہتی ہے اور

* Doctoral candidate, sheikh Zayed Islamic Center, university of the Punjab, Lahore.
** Professor Sheikh Zayed Islamic Center university of the Punjab, Lahore.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

اقوام کے درمیان خصائل وعادات کا طبعی اختلاف فی الحقیقت ان کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرنے سے مانع نہیں ہے جس طرح ایک کنبے کے افراد میں مرد وعورت کا تند و نرم ہونے، ان کی کمائی اور ان کے جسم واحد ہونے میں ہر شخص اپنے شخصی عمل سے مدرسے کی عظمت و پستی کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی حال ایک بڑی جماعت یا گروہ کا ہے کہ ایک فرد کا کوئی نمایاں کام ساری جماعت یا جرگہ کی قدر و قیمت کو بڑھا دیتا ہے اور معاشرے کے یہ بے شمار روابط ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے اور دوسرے انسانوں کو اس سے جوڑے ہوئے ہیں، ان ہی کی درستی پر ایک ایک انسان کی، ایک ایک معاشرے کی اور مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ ان کی درستی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے آئین، دستور اور قوانین پر ہے جو دین اسلام کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین وآئین کی پاسداری نہ ہو تو پھر انسان میں حیوانیت وبہیمت کی صفات غالب آتی ہیں جو انسان کی دین ودنیا کی بربادی کا باعث بنتی ہیں اور پورے سماج کو بگاڑ دیتی ہیں۔ یہی حال عصرِ حاضر میں جنسی زیادتیوں کا ہے جس میں خواتین کے ساتھ بڑھتے ہوئے اجتماعی زیادتی کے کیسز ہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور بچیوں کو جنسی زیادتی کا شکار بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد ان کو بے دردی سے قتل کیا جاتا ہے جس کے سننے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ آخر یہ کون سے جنسی درندے ہیں جو ہَوس کے ہاتھوں اتنے مجبور ہوگئے کہ نہ ان کو کسی کی عزت وآبرو کی پرواہ ہے اور نہ ان کے دلوں میں رحم وکرم کا کوئی ذرہ موجود ہے؟ سماج میں ایسے جرائم کے ارتکاب کے عوامل کیا ہے؟ عصری سماجی تفاعل میں ان کا تدارک کیسے ممکن ہے؟ اور ایسے صورتِ حال میں سماجی اور معاشرتی طور پر ہماری اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟ انہیں سوالات کی جوابات کے لیے زیرِ نظر موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

سماجی تفاعل کا تعارف

سماجی تفاعل دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، اس لیے ذیل میں ہر دو کی الگ الگ وضاحت کی جاتی ہے:

ا۔ سماج لفظ سنسکرت کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے سم اور آج۔

سم: سنسکرت زبان میں سم کا معنی ہے ایک ساتھ یا اکٹھا۔

آج: سنسکرت زبان میں آج کا معنی ہے متحد رہنا۔[۱]

لوگوں کا ایک ساتھ مل جل کر رہنا سماج کہلاتا ہے اس لحاظ سے جہاں افراد کی اکثریت مشترکہ مفادات کے تحت ایک ساتھ مل جل کر چند عقائد واقدار، قواعد وضوابط اور رسوم رواج پر اتفاق کر کے رہنا شروع کر دے وہیں سماج وجود میں آجائے گا۔[۲]

۲۔ تفاعل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو معنی باہمی اثر اندازی، باہمی میل جول، عمل پر جوابی عمل اور فعل کا فاعل اور مفعول دونوں کی طرف متعدی ہونا ہے، اردو لغت کے مطابق کسی امر کا مناسب طریقۂ عمل جس سے اس امر (چیز یا شخص) کا مقصد پورا ہوتا ہو۔[3]

اصطلاح میں تفاعل ایک ایسے عمل کا نام ہے جو تب وقوع پزیر ہوتا ہے جب دو یا دو سے زیادہ افراد ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انگریزی اصطلاح میں اسے interaction کہتے ہیں جس کا ترجمہ علم عمرانیات میں تفاعل سے کیا جاتا ہے۔[۴]

سماجی تفاعل دو یا دو سے زیادہ افراد کے ایسے باہمی تعلق کا نام ہے جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ کسی بھی معاشرے کے وجود کی بنیادی اکائیوں میں سے ایک ہے کیونکہ سماجی تفاعل ہی سے گروہی زندگی وجود میں آتی ہے اور انسان کی بقا اور افزائش گروہی واجتماعی زندگی پر ہی موقوف ہے اور مختلف گروہوں سے ہی معاشرتی ادارے، رسوم ورواج، عقائد

واقدار، سماجی معمولات تشکیل پاتے ہیں اور انہی سب سے مل کر ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے اور سماجی و ثقافتی زندگی وقوع پذیر ہوتی ہے۔[۵]

الغرض سماجی تفاعل ایک ایسا رابطہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان ہوتا ہے اور یہ افراد بات چیت کرنے یا مناسب اعمال انجام دینے کیلئے ثقافتی طور پر منظور شدہ طریقے استعمال کرتے ہیں۔ سماجی تفاعل ہی کے نتیجے میں معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ سماجی تفاعلات ہر روز ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یہ ہمارے جانے بغیر بھی ہو سکتے ہیں جب ہم یا دوسرے غیر زبانی مواصلات کا استعمال کرتے ہوئے ایک دوسرے سے اظہار خیال کرتے ہیں۔

میرل (Merill) نے سماجی تفاعل کی تعریف اس طرح کی ہے:

"Social interaction is a continuous process which occurs between two or more than two socialized individuals". [6]

سماجی تفاعل ایک مسلسل اور دوطرفہ تعلق کا نام ہے جو دو یا دو سے زیادہ سماجی تربیت یافتہ افراد کے درمیان قائم ہو۔"

ساروکن (Sorokin) نے سماجی تفاعل کی تعریف اس طرح کی ہے:

"سماجی تفاعل سے مراد ایک ایسا عمل یا واقعہ ہے جس میں فریقین ایک دوسرے کے بیرونی افعال یا دماغی حالت کو متاثر کریں۔"[۷]

ہارٹن اینڈ ہنٹ (Horton & Hunt) کے مطابق:

"سماجی تفاعل کردار کی بار بار دہرائی جانے والی شکل کا نام ہے جو کہ معاشرتی زندگی میں عام اور رائج ہو۔"[۸]

ان تعریفوں سے ظاہر ہے کہ سماجی تفاعل کم از کم دو افراد کے درمیان ایک ایسا رابطہ ہے جس سے وہ ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ پس سماجی تفاعل ایک دوطرفہ عمل یا باہمی تعلق کا نام ہے جو افراد کے درمیان قائم ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں بڑھتی ہوئی جنسی زیادتیاں

کسی بھی سماج میں جنسی جرائم کا بڑھنا اس بات کا غماز ہوتی ہے کہ وہ سماج برائی اور بداخلاقی کی دلدل میں پھنس کر پستی اور ذلت وخواری کی طرف جارہا ہے۔ جنسی جرائم سے پیدا ہونے والے نقصانات اور نتائج کا خمیازہ پوری انسانیت کو بھگتنا پڑتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کسی بھی انسان کی بیوی، بہن، ماں اور بیٹی کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی اس کے لیے ہلاکت و بربادی کے مترادف ہے اور خصوصاً ہمارے مشرقی سماج میں تو وہ انسان کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں رہتا بلکہ کوئی بھی شریف انسان اپنے جان اور مال ودولت کو قربان کر سکتا ہے لیکن اپنی عفت پر کسی کا ہاتھ ڈالنا برداشت نہیں کر سکتا۔

بد قسمتی کی بات ہے کہ ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جنسی جرائم میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے حالانکہ یہاں رہنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں، آخرت کے دن اور حساب وکتاب پر یقین رکھتے ہیں اور قرآن وسنت کو اپنے لیے دین ودنیا کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں جنسی جرائم جن میں خواتین کے ساتھ اجتماعی ریپ، آبروریزی اور بچوں وبچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی جیسے گھناؤنے جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ منہ کالا کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان سے جنسی تسکین حاصل کرنے کے

بعد انہیں ایسے بے دردی اور سفاکیت سے قتل کیا جاتا ہے کہ انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے ایسے درندگی کا ارتکاب تو دورِ جاہلیت میں بھی نہیں ہوتا تھا۔ پاکستانی اسلامی سماج میں ایسے جرائم میں اضافہ ہونا ہمارے دینداری، دینی وعلمی تربیت بھی ایک سوالیہ نشان ہے اور حکومت اور اداروں کے کارکردگی پر ایک کالا دھبہ ہے، کیونکہ پولیس کے اعداد وشمار کے مطابق صرف صوبہ پنجاب میں ۲۰۰۹ اور ۲۰۱۹ کے درمیانی دس سال میں چھوٹے بچوں کی اغواء اور جنسی درندگی کے تقریباً ۱۸ ہزار کیسز پولیس میں رپورٹ ہوئے تھے اور ان دس سالوں میں سب سے زیادہ تعداد ۲۰۱۸ میں رہا تاہم ایسے مجرموں کو سزا ملنے کی شرح ایک فیصد سے بھی کم رہی ہے، یہی اصل وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دل خوفِ خدا سے تو ویسے بھی عاری ہے لیکن حکومتِ وقت کا بھی کوئی خوف نہیں ہے۔[۹]

ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۶ء میں جنسی زیادتیوں کی شرح صوبوں کے اعتبار سے یوں رہی: پنجاب ۲۶۷۶ کیسز، سندھ ۹۸۷ کیسز بلوچستان ۱۶۶ کیسز، اسلام آباد ۱۵۶ کیسز، خیبر پختونخوا ۱۴۱۱ کیسز، کشمیر ۹، گلگت بلتستان ۴ کیسز۔[۱۰] ۲۰۲۰ء میں ۲۹۶۰ کیسز اور ۲۰۲۱ء میں ۳۸۵۲ کیسز سامنے آئے۔[۱۱] ان میں اکثر کیسز ایسے ہوتے ہیں جو رپورٹ ہی نہیں ہوتے کیونکہ کون عزت دار آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ پورے سماج میں ذلیل ورسوا ہو۔

درپیش تحدیات کے تناظر میں جنسی زیادتی کے عوامل اور اسلام

ہمارے سماج کی گراوٹ اور اخلاقی پستی کے دو بڑے اسباب ہیں جن میں ایک قانون سازی اور اس کا صحیح طور پہ نافذ العمل ہونے کا فقدان ہے کہ اتنے سنگین جرائم کی بہتات کے باوجود کتنے ایسے مجرم کو جن کو کھڑی سے کھڑی سزا دی گئی جن کو دیکھ باقی لوگ عبرت حاصل کرلے اور آئندہ کے لیے ایسے جرائم سے سماج پاک وصاف ہوجائے۔ دوسری بڑی وجہ دینی اور اخلاقی تربیت کا فقدان ہے کہ ہمارے معاشرے اور سماج میں دن بہ دن دین کی حقیقی روح سے دوری بڑھتی جارہی ہے۔ دین کو ہم نے صرف مخصوص اعمال کے ساتھ مختص کرلیا ہے حالانکہ نبی کریم کا فرمان ہے کہ تین چیزیں یعنی کسی مسلمان کا جان، مال اور عزت وآبرو ایسے ہی واجب الاحترام ہیں جیسا کہ بیت اللہ شریف، ذوالحجہ اور یومِ عرفہ کی عظمت وحرمت تمام مسلمانوں میں مسلم ہے۔[۱۲] حالانکہ آج کسی مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ اس لیے ذیل میں وہ سماجی اور دینی عوامل تفصیل سے ذکر کی جائے گی جو آج ہمارے سماج اور معاشرے کو حیوانیت، سفاکیت اور جنسی جرائم میں دھکیلنے کا سبب بنی ہیں۔

۱) پردہ وحجاب کے حدود وقیود کی پامالی کا تجزیہ

عصرِ حاضر میں جنسی زیادتیوں کے عوامل میں سے سب سے سرفہرست شریعت کی طرف سے مقرر کردہ پردہ وحجاب کی پامالی اور غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنا ہے۔ آج ہمارے سماج میں عام طور پر پردہ وحجاب کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ غیر محرم کے ساتھ خلوت میں رہنے سے کوئی حرج محسوس ہوتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس نے مرد وعورت یکساں طور پر ایسے حقوق وفرائض دئے ہیں جو ان کی فطرت وجبلت کے مقتضا کے عین مطابق ہیں۔ پھر ان حقوق وفرائض کو بحسن وخوبی ادا کرنے کی ترغیب بھی دیا ہے۔ اسلام میں خواتین کی حقوق کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلایا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت سے ہی خواتین ظلم وجور، ذلت وحقارت اور اور اذیتوں کا نشانہ بنتی چلی آرہی ہیں۔ اسی بنیاد پر خواتین ذلت ورسوائی کے دلدل سے باہر نکالنے کے لیے ان کی فطرت کے عین مطاق فرائض وحقوق مقرر کئے

ہیں۔ اللہ جل شانہ کے اوامر واحکام عدل کے تقاضوں کے عین موافق اور افراط و تفریط سے یکسر خالی ہیں۔ پردے کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں نازل کیا کہ جس میں صحابہ کو تنبیہ کی گئی کہ نبی کریم ﷺ کے ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز طلب کرے تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو اور یہ عمل ان دلوں کی پاکیزگی کا سبب بتلایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

"وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔـلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ"[13]

"اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے۔"

عمومی طور پر لوگوں میں ستر اور حجاب کے فرق کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے الجھن پیدا ہوتی ہے کہ عورت کا چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے حالانکہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ ستر کا معنی ہے کسی چیز کو چھپانا۔ مقامِ ستر سے مراد جسمِ انسانی کے وہ حصے ہیں جو ہر حال میں چھپانا واجب ہے۔[14] مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔[15] ایک مرتبہ حرحد اسلمی کی ران سے کپڑا ہٹ گیا جس پر ان سے ارشاد ہوا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے۔[16] عورت کا پورا جسم چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ستر ہے۔ ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھتیجے کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو تنبیہ کی جس میں انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو میرا بھتیجا ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔[17] اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت اپنے محرم رشتہ دار کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ سکتی ہے۔ بہر حال ستر کا حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے جبکہ حجاب کا حکم صرف عورت کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت اور تنہائی میں رہنے سے منع فرمایا تو کسی نے پوچھ لیا کہ دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس پر نبی کریم ﷺ نے دیور کو موت سے تعبیر فرمایا۔[18] امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "حمو" سے مراد شوہر کے والد اور بیٹوں کے علاوہ دوسرے قریبی رشتہ ہیں کیونکہ شوہر کا والد یعنی سسر اور بیٹے اس کے لیے محرم ہیں۔ اس سے مراد شوہر کا بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا، بھانجا وغیرہ ہیں جن کے ساتھ اس عورت کے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس مسئلہ میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے۔ جب اس حدیث میں دیور اور شوہر کے دوسرے رشتہ کے لیے اتنا سخت حکم ہے تو دوسرے اجنبی مردوں کے لیے تو اس سے زیادہ سخت حکم ہو گا۔[19]

۲) نکاح میں مشکلات کا تجزیہ

موجودہ دور میں ایک عظیم الشان نعمت یعنی نکاح نقمت وعذاب کی صورت اختیار کر چکا ہے کیونکہ شادی کے نت نئے رسم ورواج، علاقائی اور لسانی تعصبات، میرج ہال کی بکنگ، گھروں کو روشنیوں سے سجانا، تصاویر اور ویڈیو گرافی کا اہتمام اور جہیز وغیرہ کی فرمائشیں پوری کرنا اس مہنگائی کے دور میں ہر کسی کی بس کی بات نہیں ہے، جس کی وجہ سے شادی کی عمر کو پہنچے ہوئے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بے راہ روی کا شکار بن جاتے ہیں اس لیے کہ انسانی فطری وجبلی ضرورت یکسر نظر انداز کرنے سے معدوم نہیں ہوتی۔ خصوصاً اس دور میں نیٹ وغیرہ کے ذریعہ ہیجان خیز گندی فلمیں دیکھنے سے ان میں حیوانیت بڑھ کر درندگی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پھر وہ اپنی ہوس مٹانے کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کی طرف نکاح کا پیغام آئے جس کے دینداری اور حسنِ اخلاق پر تمہیں تسلی ہو تو اس سے اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کی شادی کروا دو اگر ایسا نہیں کروگے تو اس سے زمین پر فتنے اور بڑے پیمانے پر فساد برپا ہو جائے گا۔[20]

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی خواہش اور جبلی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکاح اور شادی کو تقدس بخشا ہے اور اس کو سنت قرار دیا ہے۔[21] بلکہ ایک روایت میں اسے تمام انبیاء کرام کی سنت کہا گیا ہے۔[22] اس لحاظ سے نکاح صرف جنسی تسکین ہی نہیں بلکہ مستقل ایک عبادت ہے۔ نوجوانوں کو خصوصی طور تنبیہ کی گئی ہے کہ نکاح کی قدرت رکھنے کی صورت میں نکاح کا اہتمام کرے کیونکہ اس یہ آنکھوں کو نیچے رکھنے اور شرم گاہ کو محفوظ بنانے کا باعث ہے۔[23] اسلام کے راہِ اعتدال پر چل ہی ہم اپنے سماج کو جنسی درندگی اور فحاشی و عریانی کی دلدل سے بچا سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے شادی بیاہ کو سادگی اور اسلامی طرز پر لانے کے لیے بھرپور کوشش اور جدوجہد کرے۔

۳) فحاشی کے شیوع کا تجزیہ

فحاشی عربی لفظ ہے جس کا مادہ اصلی "ف ح ش" ہے۔ فاحشہ ہر اس برے قول و فعل کو کہا جاتا ہے جو حق کے موافق نہ ہو اور اسی طرح ہر وہ کام جس میں جائز حدود سے تجاوز ہو۔[24] بہر حال فحاشی سے مراد ہر وہ عمل ہے جو حرام جنسی لذت کی حصول کے لیے کیا جائے یا جس کے ذریعے جنسی اعضاء یا فعل کی اشاعت جنسی تسکین یا جنسی خواہش پورا کرنے کی نیت و ارادہ سے کیا جائے جیسا کہ قرآنِ مجید میں بڑی فحاشی کا اطلاق زنا پر کیا گیا ہے: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ اس لیے کہ یہ فحاشی اور برا راستہ ہے۔[25] اب تک کی تحقیقات کے بعد ریسرچرز کا یہ بھی خیال ہے کہ مردوں کی سٹریا ٹیم (دماغ کا ایک حصہ جو لذت کا احساس دلاتا ہے) کثرت سے فحش مواد دیکھنے سے سکڑتی ہے۔ فحش مواد کے عادی لوگوں کے بارے میں خیال ہے کہ وہ خاتون کے ساتھ بات چیت کرنے کے بجائے انھیں اکثر جنسی تسکین پہنچانے والے ایک شے کے طور پر دیکھتے ہیں. اس سے جنسی جذبات، صبر، یادداشت اور توجہ کی کمی بھی واقع ہو جاتی ہے. اور ساتھ زنا، طلاق، تشدد اور خودکشی کے واقعات میں اضافے کا خدشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔[26] جب پورنوگرافی کے چونسٹھ ہزار سے زیادہ نوجوان صارفین کا سروے میں جائزہ لیا گیا تو ان میں کئی حضرات پر منفی اثرات مرتب ہوئے تھے جس میں جنسی اطمینان میں کمی نمایا تھی کیونکہ جو لوگ فحش مواد دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں انہیں لذت کی انتہاء تک پہنچنے کے لیے انتہائی محنت و مشقت درپیش ہوتی ہے۔[27]

اس لیے اسلام نے مرد و عورت کے آزادانہ جنسی میلاپ اور اختلاط پر قدغن لگایا ہے جس کے بنیاد مقاصد دو ہیں: ایک مقصد تو یہ ہے کہ ایسا سماج معرضِ وجود میں لایا جائے جہاد فحاشی و عریانیت اور جانوروں کی طرح آزادانہ طور جنسی تسکین حاصل کرنے کی بجائے نکاح کے اصول پر قائم ہو تاکہ ایک مضبوط خاندانی کو فروغ دیا جاسکے۔ دوسرا مقصد انسانی سماج کو جنسی درندگی کے نظر ہونے سے بچانا ہے جہاں ہر انسان کی عزت و آبرو محفوظ ہو اور انسان اپنی منہ زور خواہشات اور تقاضوں کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر ڈال سکے۔ یہی وجہ ہے کہ فحاشی و عریانی کو سخت ناپسند کیا ہے۔ قرآن و سنت کی واضح نصوص اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ زنا کو اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک اور قتل جیسے سنگین جرائم کے ساتھ شمار کیا ہے۔[28] اللہ تعالیٰ نے چھوٹے گناہوں کی معافی کو گناہِ کبیرہ اور بے حیائی سے اجتناب کے ساتھ مشروط کیا ہے۔[29] کھلی ہوئی یا پوشیدہ فحاشی کے قریب جانے سے بھی قرآن نے منع کیا ہے۔[30] ایک حدیث میں فحاشی کو ظلم قرار دیا گیا ہے جو جہنم میں لے جانے کا سبب ہوگا۔[31] ایسی خواتین کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے جو باریک یا اتنا تنگ لباس پہنتی ہو جس سے جسم نمایا ہو، خود بھی بہکاوے کا شکار ہو اور دوسروں کو بہکانے کا باعث بنے، بلکہ ایسی خواتین کو جنت کی خوشبوں تک نہ سونگنے کی وعید سنائی گئی ہے۔[32] قرآن و سنت کی ان واضح نصوص کی روشنی میں واضح

ہو گیا کہ فحاشی کے ہوتے ہوئے سماج کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے کسی دوسرے چیز کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت فحاشی سے اجتناب نہ کرنااور اشاعتِ فواحش میں حصہ لیناخود اپنی عزت، اپنی خواتین اور بچوں بچیوں کی عزت کو تار تار کرنے کے مترادف ہے۔

۴) لادینیت کا رجحان کا تجزیہ

عصرِ حاضر میں جنسی بے راہ روی میں سب سے بنیادی کردار سیکولرزم کا ہے جو آزادِ نسواں، روشن خیالی، جنسی اباحیت وغیرہ کی صورتوں معاشرے میں فواحش اور بے حیائی پھیلانے کا باعث بن رہاہے جس کا مشاہدہ آج امریکہ ،یورپ وغیرہ ملکوں میں کیاجاسکتاہے۔لادینیت یاسیکولرزم کی تعریف نیو تھرڈورلڈ ڈکشنری میں درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

> ”زندگی یازندگی کے خاص معاملہ سے متعلق وہ رویہ جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دین یادینی اعتبارات کا حکومت میں دخل نہیں ہوناچاہئے۔ یادینی اعتبارات کو نظامِ حکومت سے قصداًدور رکھناچاہئے۔ جس سے مراد مثلاً حکومت میں خالص لادینی سیاست ہے اور دراصل یہ اخلاق کا ایک اجتماعی نظام ہے جس کی اساس اس نقطہ نظر پر ہے کہ معاصر زندگی اور اجتماعی وحدت ایسے عمل اور ایسی اخلاقی اقدار پر قائم ہو جس میں دین کا کوئی دخل نہ ہو۔“[33]

لادینی نظریات کے حامل افراد نے سماج میں اپنااثر ورسوخ اور استحکام بڑھانے کے لیے روشن خیالی اور اباحیت پسندی کے مقاصد واہداف میں سے خواتین کی آزادی اور مساوات کے نام پر تحریک آزادی نسواں کو سب سے نمایاجگہ دی ہوئی ہے۔اس تحریک کی ابتداء مغرب سے ہوئی جس کا نعرا مسلم سماج میں بھی سنائی دینے لگی ہے حالانکہ مغرب میں اس تحریک کے ابھرنے کی اصل وجہ ان کی خواتین کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک تھاجس کے ردعمل کے طور اس تحریک کی ابتداء ہوئی۔ تحریک آزادی نسواں کاباقاعدہ ابتداءیورپ میں فرانسیسی انقلاب کے فوراًبعد ہو۔ فرانس میں اس وقت انقلاب لانے والوں کے ہاں مردوزن کے مساوات کو کوئی تصور نہیں پایاجاتاتھا۔اس زمانے میں ان کے پیش کردہ آواز صرف اور صرف سیاسی حقوق تک ہی محدود تھی۔ جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ فرانس کی انقلابی اسمبلی میں سن ۱۷۸۴ء میں کونڈرکٹ (Condorcet) نے اپنی تقریر میں یہ مطالبہ پیش کیاخواتین کو شہریوں کے حقوق میں حصہ دیاجائے جس پر اس کو مجرم قرار دے کر قتل کیاگیا۔[34]

آج اس نام نہاد تحریک کابنیادی مقصد مسلم سماج میں بے حیائی اور بے پردگی عام کرناہے۔اسی بے حیائی وبے پردگی اور مردوزن کے بے محابانہ اختلاط کے نقصانات جنسی زیادتیوں کی صورت میں ہم بھگت رہے ہیں۔مزید یہ کہ مغرب زدہ طبقے کا خیال یہ ہے کہ جنسی مسئلہ ایک خالص حیاتیاتی مسئلہ Biological Problem ہے۔ مذہب واخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ انسان خود طبعی لحاظ سے قطعاایک غیر اخلاقی وجود ہے۔ اس کی طبیعت میں ذاتی طور پر خیر وشر کا کوئی میلان نہیں پایاجاتا۔[35]

مغربی تہذیب کے دلدادوں نے ہمارے ڈراموں، فلموں اور پروگراموں غیر اخلاقی مکالمے،حیاسوز مناظر، اجنبی لڑکے اور لڑکیوں کا کھلے مستی وکھیل کود سنانے اور دکھانے کو معمول بنالیاہے۔الغرض سیکولرزم ولبرلزم کو اپنانے کی شوق میں ہمارا سماجی، اخلاقی اور معاشرتی ڈھانچہ کھوکھلا ہو کر تباہی کے دہانے پر پہنچ گیاہے۔ آزادی نسواں کی تحریک کے نام پر مغرب میں خواتین کا جس بے دردی سے استحصال کیاگیاہے، اب ان کا ہدف مسلمان عورتیں ہیں جو ان کی جال میں پھنستی جارہی ہیں۔ سازش کے

ذریعے مسلم خواتین سے نسوانیت کے اسلامی اثرات کو مٹایا جارہا ہے۔اس یلغار کی وجہ سے خواتین کی فطرت وجبلت اور مزاج وطبیعت بدل رہی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد لادینی معاشرے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جس سماج کا انتظام وانصرام سیکولرزم یا دین سے بے زاری وانحراف کے قواعد پر قائم ہو،اس کے اصول وقواعد مستقل نہیں ہوتے بلکہ وہ روز نئے سرے سے بنتے ہیں اور پھر ٹوٹتے ہیں۔انسانی رشتوں اور تعلقات کی ایک ایک جہت میں ناانصافی، ظلم وبربیت، بے اعتمادی اور بے ایمانی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ سارے انسانی معاملات میں طبقاتیت،انفرادیت، قومیت،نسلی خودغرضیاں اورانتشار ظاہر ہو جاتا ہے۔انفرادی تعلقات سے لے کر قوموں اور ملکوں کے تعلقات تک کوئی رابطہ ایسا نہیں ہوتا جس میں کجی اور ٹیڑھا پن نہ آجاتی ہو۔“[۳۶]

اسلام جو ہمارے ملک کی غالب اکثریت کا دین ہے اس کے اعتبار سے لادینیت ناقابل تسلیم ہے، بلکہ دین اسے شدت سے رد کرتا ہے کیونکہ لادینیت اور اسلام کسی بھی پہلو سے یکجا نہیں ہوسکتے۔لادینیت اسلام کو فرد کے ضمیر میں پنہاں عقیدہ کے طور پر تو تسلیم کرسکتی ہے مگر ایک نظام حیات اور ایک مکمل شریعت کی حیثیت میں نہیں مانتی۔لادینیت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ خود عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کریں اور زندگی کے ہر معاملہ میں ان کا رخ اسی سرچشمہ کی طرف ہو۔

لادینیت اسلام کو ایک نظام عبادت کے طور پر تسلیم تو کرتی ہے لیکن اس طرح کہ یہ فرد کا ذاتی معاملہ ہے،نہ اس طرح کہ ریاست اس کی نگہداشت کرے اور ترک عبادت پر محاسبہ کرے یعنی جو لوگ عبادت کا اہتمام کریں انھیں آگے بڑھائے اور جو غفلت برتیں انھیں پیچھے ہٹائے۔

۵) مخلوط نظام تعلیم کا تجزیہ

عصرِ حاضر میں جنسی زیادتیوں کے عوامل میں سے ایک عامل مخلوط نظام تعلیم ہے جس کی تباہ کاریاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں مخلوط تعلیم کی مندرجہ ذیل تعریف بیان کی گئی ہے:

" ایک ہی مضمون کی تعلیم ، ایک ہی وقت میں ، ایک ہی جگہ ، ایک طریقے سے ایک ہی نظام کے تحت۔“[۳۷]

احمد انس اس نظام تعلیم کی عملی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس طرح آج مردوں کے کالج میں مرد اور مرد اور عورتوں کے کالج میں عورتیں تعلیم حاصل کرتی ہیں ،ٹھیک اسی طرح مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کریں،کسی کی فوقیت اور کسی کی کمتری کا سوال نہ ہو،کامل مساوات کا دور دورہ ہو،استادوں اور منتظمین کی جانب سے کسی کا خصوصی لحاظ نہ ہو،نہ علیحدہ کامن روم ہو،نہ علیحدہ نشست،نہ ساتھ کھیلنے کودنے پر پابندی ہو،اور نہ ہی رہائش کے لیے علیحدہ ہوٹل ہوں، یہ ہے حقیقی مخلوط تعلیم کا تصور۔"[۳۸]

مخلوط تعلیم کی بنیادیں تاریخی حقائق کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیں تو اس کا کھوج یونان کے دانش ور افلاطون کے قائم کردہ نظریات میں ملتا ہے۔ افلاطون عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینے کا حامی تھا، اس لیے وہ عورتوں کے لیے وہی تعلیم تجویز کرتا ہے جو مردوں کے لیے تجویز کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"مملکت کے نظم ونسق میں مرد یا عورت کے لیے جنسی اعتبار سے کوئی مخصوص خدمت مقرر نہیں ہے۔ قدرت نے مرد اور عورت کو یکساں صفات عطا کی ہیں جو کام مرد کر سکتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔"[۳۹]

دور حاضر میں مخلوط تعلیم کی ابتدا امریکہ سے ۱۷۷۴ء میں ہوئی۔ انگلستان میں اس کا آغاز ۱۸۷۰ء میں ہوا اور ۱۹۰۲ء میں وہاں مخلوط تعلیم کے لیے قانون پاس کیا گیا۔ فرانس میں ۱۸۶۷ء میں اسے قانونی جواز دیا گیا۔ غرض اس کی ابتدا تو بہت پہلے ہوئی لیکن اسے قبول عام حاصل نہ ہو سکا، جس کی سب سے بڑی وجہ لڑکے اور لڑکیوں میں جنسی، طبعی اور طبی فرق تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ہی جگہ پر ایک ہی انداز سے تعلیم دینے سے جنسی انار کی پھیلنے کے خدشات موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ (Co Education) کو عام ہونے میں کافی عرصہ لگ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تحریک آزادی نسواں اپنے عروج کو پہنچ گئی جس میں عورت کو مرد کے برابر حقوق دینے کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں دونوں کو برابر کی سطح پر شامل کرنے کا شور مچایا گیا، لہذا مخلوط تعلیم کو بھی اس غوغائے مساوات کا سہارا مل گیا۔

شروع شروع میں شرافت، قدامت اور مذہبی اقدار کے حامل لوگوں نے مخلوط تعلیم کو سخت ناپسند کیا۔ Eneyelo peclia of social swerce کے مقالہ نگار کے بقول شرفاء اور معززین نے اپنے بچے ان سکولوں میں بھیجنا پسند نہ کیا جن میں مخلوط تعلیم رائج تھی۔ یہاں ۱۹۳۰ء کی دہائی میں ۱۹۳۱ سکولوں میں سے صرف ۱۳۴۹ اسکول مخلوط تھے۔[۴۰]

فرانس میں مخلوط تعلیم کی اجازت صرف اس صورت دی گئی کہ اسکول میں لڑکیوں کی تعداد ۵۰ سے کم ہو اور لڑکوں کی ۱۰۰ سے زیادہ نہ ہو۔ ان میں سے کسی بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر علیحدہ سکول کھلوانا لازمی تھا۔ ایک ماہر تعلیم میئر (Meuer) اپنی کتاب "ارتقاع تعلیم فی قرن العشرین میں لکھتا ہے:

"اکثر لوگ اس جدید نظام تعلیم سے نفرت کرتے تھے جس میں طلبہ وطالبات کے اختلاط کے سبب فسق و فجور پرورش پا رہا تھا۔"[۴۱]

فرانس میں ۱۸۶۷ء میں تعلیم لازمی کی گئی تو یہ قاعدہ بنایا گیا کہ ہر پانچ سو کی آبادی میں لڑکیوں کا ایک علیحدہ سکول لازماً قائم کیا جائے اور یہ کہ ۱۳ سال کی عمر کے بعد لڑکے لڑکیوں کو ایک ساتھ نہ پڑھایا جائے بلکہ انہیں علیحدہ علیحدہ سکولوں میں بھیج دیا جائے۔ جنوبی امریکہ میں غربت کی وجہ سے مخلوط تعلیم رائج کی گئی لیکن جو لوگ چرچ اور کانونٹ سکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتے تھے وہ مخلوط سکولوں میں اپنے بچوں کو نہیں بھیجتے تھے۔ یہ سب حقائق ثابت کرتے ہیں کہ سنجیدہ شریف اور سمجھ دار طبقے نے کبھی بھی مخلوط تعلیم کو پسند نہیں کیا۔

اسلام نے مخلوط معاشرے کو نہ عبادات میں پسند کیا ہے نہ ہی معاملات میں اس کی اجازت دی ہے۔ غور کریں تو اسلام کے ہر حکم میں وسیع حکمتیں مضمر ہوتی ہیں، ان میں سے کسی ایک حکم پر عمل کر کے ہم شعوری طور پر تو کوئی ایک فائدہ حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے بہت سے غیر محسوس پہلو ایسے ہوتے ہیں جس سے ہم شعوری طور پر مستفید ہو رہے ہوتے ہیں، چنانچہ ان حکموں کی

خلاف ورزی کی صورت میں تمام پہلوؤں پر مبنی نقصانات وقوع پذیر ہو کر معاشرے کو کئی لحاظ سے بدتر بنا دیتے ہیں، انہی میں سے ایک مخلوط نظامِ تعلیم بھی ہے جسے اپنا کر ہم پست تعلیمی معیار کی دلدل میں دن بدن طلبہ کو دھکیلتے جا رہے ہیں۔ مخلوط تعلیم نوجوان نسل کی دو مخالف صنفوں کو دن بھر اکٹھا رہنے کا مواقع فراہم کرتی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق عمر کا یہ دور ہیجانی مد وجزر کے بے شمار طوفانوں میں گھرا ہوتا ہے۔ جوش، ہوش کی حدود پھلانگنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ یہ عمر دور اندیشی اور سنجیدگی سے تہی دامن ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے عمر میں نوجوانوں کے مخلوط تعلیم کسی زہرِ قاتل سے کم نہیں ہے۔ اس لیے ہم بھرپور کوشش کرے کہ ایسے مخلوط نظامِ تعلیم سے مکمل اجتناب کرے۔

۶) جدید ذرائع ابلاغ کا تجزیہ

عصر حاضر میں سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے جنسی ہیجان برپا کرنے والا مواد کو جس تیزی سے پھیلایا جاتا ہے اس کا لازمی نتیجہ سماج میں جنسی درندگی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ ٹی وی اشتہارات، ڈراموں، فلموں، میوزیکل محفلوں میں حیاسوز اور نیم عریاں خواتین کی تصویریں کسی سماج کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہر گھر، ہر بیڈ روم تک میسر ہو چکی ہے اور ہمارے معاشرے میں اس کی نشر واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جا رہا ہے۔ سب سے خطرناک چیز اپنے بچوں اور بچیوں کی تصاویر فیس بک، وٹسف وغیرہ پر اپلوڈ کرنا ہے۔ سماج میں جنسی جارحیت کے رجحان میں سب سے نمایاں کردار جدید ذرائع ابلاغ ہی ادا کر رہے ہیں کیونکہ ایک تحقیق کے مطابق آج کل جتنا بھی مواد نشر کیا جاتا ہے اس میں جنسی جارحیت کا منظر پیش کیا جاتا ہے جس کا ارتکاب مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جارحیت کے بعد جارحیت کی نشانہ بننے والی عورت جنسی تعلق سے لطف اٹھانے لگتی ہے، ایسے کی مناظر دیکھنے اور دکھانے کی وجہ سے سماج میں جنسی زیادتیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔[۴۲]

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کسی بھی ذریعہ سے فواحش اور بے حیائی کے پھیلانے سے سختی سے منع کیا ہے۔ اسلام نہیں چاہتا ہے کہ سماج میں فحاشی اور عریانی کو عام کیا جائے اس لیے ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکیاں دی ہیں۔[۴۳] یہی وجہ ہے کہ شوہر یا بیوی کو اپنے جنسی میلاپ کی نشر واشاعت سے سختی سے روکا ہے بلکہ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن سب سے برا قرار دیا گیا ہے۔[۴۴]

۷) غیر اسلامی اقدار و روایات کا تجزیہ

دورِ حاضر میں مسلمان دن بدن اسلامی اقدار و روایات سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ہر طرف غیر اسلامی اقدار و روایات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مسلم معاشرے کی سب سے اعلی قدر اور مضبوط روایت حیا اور پردہ و حجاب ہے، مگر ثقافتی یلغار، مغربی تہذیب اور سیکولر نظریات کے رجحان کی وجہ سے ہمارا معاشرہ حیا و پردہ جیسی بنیادی قدروں سے عاری ہو رہا ہے۔ آج بے حیائی اور بے پردگی جس طرح عام ہے بلکہ بے حیائی و بے پردگی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو سرعام تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کو مزاق اڑایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فحاشی و عریانی نے ہمارے سماج کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ بے حیائی و بے پردگی اور فحاشی و عریانیت درحقیقت غیر اسلامی معاشرت کا اہم مظہر ہے جو کہ ہمارے اسلامی معاشرے

میں تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ دین و مذہب سے بے زاری اور خشیتِ الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے مرد وخواتین اختلاط کو مساوات کا درجہ دیا گیا ہے۔ شادی بیاہ اور نکاح کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے اور کھلے عام بدکاری وزناکاری کو فروغ ملا ہے، جس سے خاندانی نظام کی بنیادیں مضمحل ہوگئی ہیں اور اس کی افادیت مجروح ہوگئی ہے۔ ٹی وی چینلز، یوٹیوب چینل، فیس بک وٹسف اور ٹویٹر پر زور وشور سے فحاشی وعریانی نشر کی جارہی ہے۔

نعیم صدیقی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حجاب کے مسئلہ میں چہرے کو ڈھانپنے اور مکمل برقعہ اوڑھنے سے بات شروع ہوئی اور کسی کی مخالفت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہماری مسلم عورتوں نے پردہ داری کے شاندار رواج اور معیار کو قائم کیا۔ پھر عورتوں کی بات چادر پر آکر رک گئی تو مجھے محسوس ہونے کہ مسلمانوں کے زوال اور پسپائی کی ابتداء ہوگئی ہے۔ شروع شروع میں ایسی چادریں استعمال کی جانے لگی جو درحقیقت حجاب وپردے کے تقاضوں کو پورا کررہے تھے جس سے پورا جسم، لباس اور زینت کی اعضاء مستور ومخفی ہوجاتی۔ پھر یہ چادریں سکڑتی ہوئی اوپر کی جانب پرواز کرنے لگی جس میں شلوار کی ایک جانب کو کچھ حصہ دکھائی دینے لگا اور پھر مزید ترقی کرتے ہوئے مکمل شلوار نظر آنے لگی لیکن اس کے باوجود اس چادر کا ایک پلو پکڑ کر خوب اچھی طرح سے چہرے کو ڈھانکا جاتا تھا لیکن آہستہ آہستہ ان پلوؤں میں فاصلہ بڑھنے لگا۔ اسی طرح قومی لباس یعنی شلوار قمیص موجود ہونے کے باوجود کہیں کہیں پر پتلون اور شرٹ پہننے کا شوق جاگنے لگا۔ کئی خواتین خود تو اس حسرت کو پورا نہ کرسکی اس لیے اپنی چھوٹی چھوٹی دس بارا سالہ بچیوں کو اسکرٹ اور سایہ پہنا اپنی حسرتوں کو پورا کررہی ہیں۔[۴۵]

مزید لکھتے ہیں کہ یہی عمل دہراتے ہوئے عصرِ حاضر میں روشن خیال عورتوں کے گھرانے ترقی کے میدان میں آگے بڑھیں۔ اس میدان میں ایک طرز نانی اماں کا تھا، پھر آزادی اور اباحیت پسندی کے مزید کچھ کواڑ بیٹی نے کھولے۔ پھر نواسی کی باری آئی جو سارے حدود کو پار کرتے ہوئے ک سیدھا سٹیج پر براجمان ہوئی۔ میرے خیال میں یہی ہماری شکست اور اسلام مخالف الحادی نظریات کی فتح اور کامیابی وکامرانی ہے۔[۴۶]

درحقیقت جرائم اور فواحش کی کثرت اور غیر اسلامی اقدار وروایات کے عام ہونے میں سب سے زیادہ کردار ذرائع ابلاغ کا ہے کیونکہ ایسی خبریں شائع کرنا جو گھناؤنے اخلاق سوز جرائم پر مشتمل ہو خواہ وہ چھوٹے بچوں بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی ہو سماج ومعاشرے کی فضا کو مزید مسموم کرتی ہے لیکن ہمارے ہاں ایسی خبروں کو تفریحی خبر سمجھ کر نشر کیا جاتا ہے۔ یہ رویہ انتہائی خطرناک ہے۔ پھر اس کی نشر واشاعت میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی کرنا اور فخر کے طور سب سے پہلے نشر کرنے کا دعوی کرنا اور اس کو اپنی کامیابی وافتخار سمجھنا بے حسی اور مردہ ضمیر کی مثال ہے۔ برائی کو برائی سمجھنا اور کہنا عین ایمان ہے لیکن اس کو معمول کی خبروں جیسا بڑھ چڑھ کر پیش کرنا سنگین جرم ہے۔

ان غیر اسلامی اقدار وروایات میں سے ایک ویلنٹائن ڈے ہے جو ۱۴ فروری کو منایا جاتا ہے اور اس دن محبت کے نام نہاد دعویدار ایک دوسرے کو پھولوں کا تحفہ پیش کرکے اظہار محبت کرتے ہیں۔ اس دن کو ایک پادری کے ساتھ جوڑا جاتا ہے جس کا نام ویلنٹائن بتایا جاتا ہے جسے کسی راہبہ سے پیار ہوگی لیکن چونکہ عیسائی مذہب میں راہب اور راہبہ کا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا ممنوع ومحظور ہے۔ اس لیے ویلنٹائن نے اپنی محبوبہ کو ترغیب دی کہ جو کوئی چودہ فروری کو ایک دوسرے سے جنسی تعلق قائم کرلے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے کلیسا کے تمام احکام وقوانین کو پامال کرتے ہوئے تمام حدود پار کرلئے، جس کے سزا کے طور پر

انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اسی وقت سے کچھ نوجوانوں نے اس دن کو شہیدِ محبت کی یاد کے لئے منانا شروع کر دیا، اسی لئے آج نوجوان لڑکے اپنی محبوباؤں کو پھول پیش کرتے ہیں۔[47]

پاکستان میں چونکہ ابھی تک اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اخلاقی اقدار باقی ہیں۔ حکومت، میڈیا، غیر ملکی این جی اوز تمام تر کاوش کے باوجود چند فی صد لوگ ان اقدار کو پامال کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک خاص طبقہ کے لوگ ہیں۔ اس لئے مملکت خداداد میں اس دن کو منانے کے لئے لڑکے لڑکیوں کو اور لڑکیاں لڑکوں کو عید کارڈ ارسال کرتی ہیں۔

نوجوان سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اپنی راہ چلتی محبوبہ کو پھولوں کا گفٹ دیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض دفعہ ایسا تحفہ دینے پر لڑکی کے ورثاء کی طرف سے عاشق نامراد کی خوب تواضع بھی ہو جاتی ہے۔

ٹیلی فون کے ذریعے محبت کی مبارک یادیں دی جاتی ہیں۔

بعض واسطوں کے ذریعے پھول اور کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاک اور انٹرنٹ وغیرہ

پھول بیچنے والے مزید رقم لے کر پھول پہنچانے کا کام بھی کرتے ہیں۔

گذشتہ کچھ سالوں سے راہ چلتی لڑکیوں اور خواتین کو پھول دینے کی کوشش کی جاتی ہے جس پر بے شمار لڑائیاں بھی جنم لے چکی ہیں۔[48]

اسلامی معاشرہ میں اس بے حیائی اور فحاشی کی ہر گز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسلامی معاشرہ اعلیٰ اقدار پر قائم ہوتا ہے۔ ایسے حیاسوز تہواروں اور پروگراموں سے اس کی جڑیں کھوکھلی ہو سکتی ہیں۔ جو قوم اپنی بہترین معاشرتی اقدار کھو دیتی ہے، اسے دنیا میں ذلیل ہونے اور آخرت میں عذاب الہی کا شکار بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

خلاصہ بحث

جب فحاشی و عریانی، ہم جنس پرستی اور خواتین کو ذریعہ معاش سمجھنا کسی سماج معاشرے کا معمول بن جائے، تو پھر سماج و معاشرے میں اجتماعی ضمیر بھی بے حسی اور غفلت کا شکار ہو جاتا ہے جس کا ہمارے معاشرے میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ روزانہ کے اعتبار سے جنسی زیادتیوں کے کئی کیسز سامنے آرہے ہیں جس کی وجہ سے کسی انسان کی عزت وآبرو محفوظ نہیں ہے۔ خواتین، بچوں اور بچیوں کو گھر سے باہر جاتے ہوئے انسان پر خوف اور اندیشہ سوار رہتا ہے۔ لہٰذا اگر بروقت اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑ کر جگا دیا جائے تو پھر وہ فحاشی اور عریانیت کے خلاف نہ صرف کمر بستہ ہوتا ہے بلکہ وہ اسے جڑ سے اُکھاڑ کر چھوڑتا ہے۔ اب یہ کام معاشرے کے افراد کا ہے۔ اساتذہ، تاجر، وکیل، طبیب، انجینیر اور وہ لوگ جو معاشرے میں ایک قابلِ لحاظ مقام رکھتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھ کر برائی کے خاتمے کے لیے، اپنے سیاسی اور مسلکی اختلاف سے بلند ہو کر اپنی اولاد اور بیٹیوں کی عزت کے تحفظ کے لیے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر فحاشی، عریانی کے خلاف ایک زنجیر بن جائیں اور پوری قوت سے برائی کو پسپا کر دیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ ہم جنسی زیادتیوں کے عوامل کا ادراک کرلیں کہ وہ کون سی عوامل اور اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ اتنی پستی میں گر چکا ہے۔ ان عوامل میں شرعی پردہ وحجاب کی حدود وقیود کی پامالی، نکاح کے راستے میں حائل رکاوٹیں، فحاشی وعریانی کا شیوع، لادینیت اور سیکولرزم کا رجحان، مخلوط نظام تعلیم، جدید ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال اور غیر اسلامی اقدار وروایات شامل ہیں لہٰذا جب تک ان اسباب وعوامل کا تدارک اور روک تھام نہیں ہو گا اس وقت تک ہماری عزتیں محفوظ نہیں ہو سکتی۔

مصادر و مراجع

[۱] محمد انصار اللہ، ڈاکٹر، سنسکرت اردو لغت، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم ۲۰۰۷ء،) ص:۳۰۶

[۲] شان الحق حقی، لسانی مسائل ولطائف مشمولہ مضمون اردو اور سنسکرت (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، ۱۹۹۶ء) ص:۱۱۳-۱۱۴

[3] جمیل جالبی، ڈاکٹر، پیش لفظ تَفاعُل (فت ت، ضم ع،) اردو لغت مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع دوم ۲۰۰۷، ص:۴۳

[4] Nilgun Aksan, Symbolic interaction theory (Journal: Procedia Social and Behavioral Sciences, Gazi University, Vol.12 January 04, 2009) P:15

[5] Erving GoffmanAn analysis of ritual elements in social interaction. In Interaction , (Journal, On Face-Work, Vol.5 1972) p:20

[6] F.Borgatta, The analysis of patterns of social interaction.(Journal,Social Forces Vol.44 No.1 Sep, 1965) P:27-34

[7] Francis E. Merrill, Society and Culture; an Introduction to Sociology Hardcover (New York:Prentice hall Books January 1, 1957)P:21

[8] Soroka, Sociology S/G Paperback(Pearson Highier Education, September 1, 1993) P:36

[۹] ترہب اصغر، بچوں کا جنسی استحصال: زینب الرٹ بل بچوں کے خلاف جنسی جرائم کی روک تھام میں کتنا کارآمد رہا؟، بی بی سی اردو ڈاٹ کام، لاہور، ۴ جنوری ۲۰۲۱ء(https://www.bbc.com/urdu/pakistan-55525362)

[۱۰] بحوالہ سابقہ

[۱۱] حمیرا کنول، بچوں کے خلاف جنسی جرائم: پاکستان میں گذشتہ برس بچوں سے جنسی تشدد کے واقعات میں ۳۰ فیصد اضافہ، بی بی سی اردو ڈاٹ کام، اسلام آباد، ا مئی ۲۰۲۲ء(https://www.bbc.com/urdu/pakistan-61284363)

[۱۲] صحیح بخاری، کتاب العلم ،باب لیبلغ الشاهد منکم الغائب، حدیث نمبر ۱۰۵

[۱۳] القرآن الکریم، سورۃ الاحزاب ۵۳

[۱۴] راغب اصفهانی، مفردات القرآن (بیروت: دار القلم، طبع اول، ۱٤۱۲ھ) ج:۱، ص:۳۹٦

[۱۵] بیهقی، احمد بن حسین، السنن الصغیر (کراچی ،جامعة الدراسات الاسلامیه، طبع اول، ۱٤۱۰ء) حدیث نمبر ۳۲۲، ج:۱، ص:۱۳۰

[۱٦] سنن ابی داود، کتاب الحمام، باب النهی عن التعری، حدیث نمبر ٤۰۱٤

[۱۷] ابن جریر، جامع البیان فی تاویل آی القرآن (بیروت: مؤسسةالرسالة، طبع اول، ۱٤۲۰ھ/۲۰۰۰ء) ج:٤، ص:٤۲٤

[۱۸] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامراة الا ذو محرم والدخول علی المغیبة، حدیث نمبر ٥۲۳۲

[۱۹] نووی ،شرح المنهاج علی صحیح المسلم (بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع دوم، ۱۳۹۲ء) ج:۱٤، ص:۱٥۳

[۲۰] سنن ترمذی، کتاب انکاح، باب ماجاء اذا جائکم من ترضون دینه فزوجوه، حدیث نمبر ۱۰۸٤

۲۱ سنن ابن ماجه، کتاب انکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح، حدیث نمبر ۱۸٤٦

[۲۲] سنن ترمذی، کتاب انکاح، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیه، حدیث نمبر ۱۰۸۰

۲۳ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءة فلیصم، حدیث نمبر ٥۰٦٦

[۲٤] ابن منظور ، لسان العرب (قاهره: دار الحدیث، ۲۰۰۳ء) ج:۲، ص:۳۲

[۲۵] القرآن الکریم، سورۃ بنی اسرائیل ۳۲

[۲٦] ڈاکٹر طاہرہ ربیب، سیکس ویڈیو دیکھنے کے نقصانات، ہوم مینٹل سیکس، ۸ فروری، ۲۰۲۳(https://oladoc.com/health-zone/side_effects_of_watching_porn_in_urdu/)

[27] ایضاً

[28] القرآن الکریم، سورۃ الفرقان ۶۸

[29] القرآن الکریم، سورۃ النجم ۳۲

[30] القرآن الکریم، سورۃ الانعام ۱۵۱

[31] سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی الحیاء، حدیث ۲۰۰۹

[32] صحیح مسلم، ،کتاب اللباس والزینة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات، حدیث نمبر ۲۱۲۸

[33] Third New International Dictionary 1961, vol, P.2053

[34] رفیق چودھری، مساوات مرد وزن (لاہور، ادارہ معارفِ اسلامی، ۱۹۹۹ء) ص:۱۷

[35] محمد قطب، اسلام اور جدید مادی افکار، مترجم: سجاد احمد کاندھلوی (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۸۰ء) ص:۳۷

[36] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء) ص:۴۰۷

[37] ام عبد منیب، مخلوط تعلیم (لاہور: مشربہ علم وحکمت، ۱۴۲۹ھ) ص:۱۵

[38] محولہ بالا، ص:۱۶

[39] اکرام قریشی، تاریخ تعلیم (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامی، ۲۰۱۶ء) ص:۴۵

[40] ام عبد منیب، مخلوط تعلیم، ص:۲۳

[41] میئر، ارتقاع تعلیم فی قرن العشرین، ص:۱۲۷

[42] ایضاً

[43] سورۃ النور ۲۴:۱۹

[44] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب لوان لابن آدم وادیین لابتغٰی ثالثا، حدیث نمبر ۱۰۵۰

[45] صدیقی، نعیم، تعلیم کا تہذیبی نظریہ، ص:۱۱۴

[46] محولہ بالا، ص:۱۱۶

[47] صدیق، محمد اختر، غیر اسلامی تہوار تاریخ، حقائق، مشاهدات، مکتبہ اسلامیہ، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص:۵۳

[48] صدیق، محمد اختر، غیر اسلامی تہوار تاریخ، حقائق، مشاهدات، ص:۵۷